تبلیغ واشاعت ۳۰   بار اوّل ۳۰۰۰

شرف المکالمہ

از افادات

حکیم الاُمّت، مجدّد المِلّت حضرت مولانا

اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ

حاشیہ

مولانا خلیل احمد تھانوی اُستاد جامعہ دار العلوم الاسلامیہ

ناشر

شعبۂ نشر و اشاعت جامعہ دار العلوم الاسلامیہ لاہور ۱۸

فون پرانی انارکلی ۷۳۵۳۷۲۸ ـ کامران بلاک ۵۴۱۴۳۸۶ ـ ۴۴۸۰۶۰

جمادی الاول ۱۴۱۵ھ ـــــــ اکتوبر ۱۹۹۴ء

"حق تعالیٰ کی ہم کلامی بڑی نعمت ہے"

کے موضوع پر حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانویؒ نے یہ وعظ ۶-جمادی الثانی ۱۳۳۰ھ کو جامع مسجد تھانہ بھون میں ارشاد فرمایا- سامعین کی تعداد تقریباً ۱۰۰ تھی - مولانا محمد عبداللہ گنگوہی مرحوم نے اسے قلم بند کیا-

پیش لفظ

حکیم الامت حضرت تھانوی صاحب نوراللہ مرقدہ کے مواعظ گذشتہ چالیس پچاس سال سے مسلسل چھپ رہے ہیں اور عوام و خواص ان علوم سے استفادہ کر رہے ہیں، حضرت کا ارشاد ہے۔ کہ اگر کوئی پچاس وعظ بغرض اصلاح پڑھ لے تو انشاء اللہ اسکی اصلاح ہوجائیگی۔ آج کل استعداد کم ہونیکی وجہ سے ہر شخص کیلیے حضرت کے مواعظ کو سمجھنا اور اس سے فائدہ اٹھانا ممکن نہیں رہا، اس لئے کہ ان میں عربی، فارسی کے مشکل الفاظ استعمال ہوئے ہیں، جن کے ترجمہ سے عوام واقف نہیں اور بہت سے عربی، فارسی اشعار نیز قرآنی آیات کا ترجمہ نہ ہونیکی وجہ سے کما حقہ وعظ سمجھنے سے عوام قاصر رہتے ہیں۔ لہذا جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور کے شعبہ اشرف التحقیق کیطرف سے احقر نے حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی مدظلہم العالی کی زیر سرپرستی یہ کوشش کی ہے کہ وعظ کے مشکل الفاظ اور عربی، فارسی کا ترجمہ حاشیہ پر دیا جائے، تاکہ نفس مضمون سمجھنے میں سہولت ہو، اور پورے طور پر ان علوم سے استفادہ کیا جاسکے جامعہ کیطرف سے ہرماہ ایک وعظ ان حواشی کے ساتھ شائع کرکے شائقین و متعلقین کو بلامعاوضہ ارسال کیاجاتا ہے۔ قارئین سے التماس ہے کہ وہ اس وعظ کو خود مطالعہ کرنے کے بعد اپنے افراد خانہ کو پڑھوائیں، پھر کم از کم مزید دس افراد کو اس کا مطالعہ کروائیں، تاکہ تین ہزار کی تعداد میں چھپنے والے وعظ سے تیس ہزار افراد مستفید ہوسکیں۔

فقط

خلیل احمد تھانوی

خادم ادارہ اشرف التحقیق

بسم الله الرحمٰن الرحيم

الحمدلله نحمده ونستعينه ونستغفره ونومن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلاهادى له ونشهد ان لااله الاالله وحده لاشريک له ونشهد ان محمداً عبده ورسوله صلى الله تعالى عليه وعلى آله واصحابه وبارک وسلم.

اما بعد فاعوذبالله من الشيطان الرجيم. بسم الله الرحمن الرحيم. فى بيوت اذن الله ان ترفع ويذكر فيها اسمه. يسبح له فيها بالغدو والاصال. رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله واقام الصلوٰة وايتاءالزكوٰة يخافون يوما تتقلب فيه القلوب والابصار. ليجزيهم الله احسن ماعملو ويزيدهم من فضله والله يرزق من يشاء بغير حساب.[1]

ترجمہ

یعنی وہ ایسے گھروں میں (جاکر عبادت کرتے ہیں) جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے اور ان میں اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے۔ ان (مسجدوں) میں ایسے لوگ صبح وشام اللہ تعالیٰ کی پاکی (نمازوں) کا بیان کرتے ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے (بالخصوص) نماز پڑھنے سے اور زکوۃ دینے سے نہ خرید غفلت میں ڈالنے پاتی ہے اور نہ فروخت (اور) وہ ایسے دن (کی دارو گیر) سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ جاوینگی انجام (ان لوگوں کا) یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا بہت ہی اچھا بدلادے گا (یعنی جنت) اور (علاوہ جزا کے) ان کو اپنے فضل سے اور بھی زیادہ دے گا اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے بیشمار دیتے ہیں۔

---

[1] النور آیت ۳۶تا۳۸

حصولِ نعمت پر شکر نہ کرنا کفرانِ نعمت ہے

یہ ایک بڑی آیت ہے جس میں کا ایک جزو خاص مجھ کو اس وقت بیان کرنا مقصود ہے اور وہ مضمون نہ کسی دوسرے مضمون کا متمم ہے اور نہ کسی کا توطیہ وتمہید ہے بلکہ ایک مستقل مضمون ہے۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ ان آیات میں حق تعالیٰ نے ایک بہت بڑی ایسی نعمت کا ذکر فرمایا ہے کہ اس کی طرف ہم کو بالکل التفات نہیں ہے اور وہ نعمت کم و بیش سب کو حاصل ہے زیادہ بعید و عجیب و افسوسناک امر یہ ہے کہ ایک نعمت حاصل ہو اور اس کے حصول تک کی اطلاع نہ ہو اس لئے کہ جب اطلاع نہ ہوگی تو اس کے حقوق کی طرف التفات نہ ہوگا اور اس کا شکر نہ کیا جائے گا۔ اور جب شکریہ نہ کیا جائیگا تو یہ کفرانِ نعمت ہے چنانچہ ارشاد ہے "لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدید"[1] (اگر تم شکر کروگے تو تم کو زیادہ نعمت دونگا اور اگر تم ناشکری کروگے تو (یاد رکھو) میرا عذاب بڑا سخت ہے) (کفرتم) کو (شکرتم) کے مقابلہ میں فرمایا ہے کہ کفرتم سے مراد لم تشکروا ہے شکر پر وعدۂ مزید ہے اور کفران کی وعید ہے خواہ وہ عاجل ہو یا آجل۔ عاجل یہ ہے کہ وہ نعمت سلب ہوجائے۔ یعنی کم از کم اس کی برکت وحلاوت برباد ہوجائے اور آجل آخرت کا عذاب ہے گو یہاں ایک احتمال عقلی اور بھی ہے وہ یہ کہ حصر نہ ہو بلکہ شکر اور کفران میں واسطہ نکلے وہ یہ کہ کوئی حالت ایسی بھی ہو کہ نہ شکر ہو نہ کفر ہو لیکن یہ خلاف اصل ہے دوسرے اگر تسلیم بھی کیا جائے کہ واسطہ ہے اور اس پر وعید نہیں ہے لیکن حالت شکر کے مضاد[2] تو ضرور ہوگی اور جب شکر کے مضاد ہوئی تو گو خسران[3] کا ترتب اس پر نہ ہو لیکن حرمان[4] تو ضرور ہوگا حرمان کیا قابل قلق وافسوس نہیں ہے ضرور ہے اس واسطے کہ جس طرح یہ بات قابل حسرت ہے کہ ذخیرہ ہو اور لٹ جائے اسی طرح یہ بھی

---

(۱) ابراہیم آیت ۷ (۲) خلاف (۳) نقصان (۴) محروم

افسوسناک حالت ہے کہ اصل ہی سے سرمایہ نہ ہو اور اس کا افسوس ناک ہونا اس وقت ظاہر ہو جب اجر کے انبار دوسروں کو ملتے ہوئے نظر آئیں گے اور منہ تکیگا جیسے ایک بازار ہو اور اس میں رنگارنگ اور انواع انواع کی اشیاء بیش قیمت موجود ہوں جو شخص تہیدست[1] ہے اس کو بجز حسرت وافسوس کے کیا ہاتھ آئے گا۔

کہ بازار چندانکہ آگندہ تر   تہیدست رادل پراگندہ تر

(جس طرح بازار طرح طرح کی چیزوں سے بھرا ہوگا اسی قدر تنگدست شخص کا دل زیادہ پریشان ہوگا)

غرض خسران ہو یا حرمان دونوں قابل قلق[2] ہیں لہذا ضرورت اس کی ہے کہ ہر نعمت کی حقیقت کو سمجھاجائے تاکہ اس کے حقوق پر اطلاع ہو۔

عظمت کیوجہ سے ہمکلامی دشوار ہوتی ہے

قبل اس کے کہ میں بیان کروں کہ وہ نعمت کیا ہے اس کی مثال عرض کردوں تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ وہ نعمت کس درجہ قابل قدر ہے اس لئے کہ ایک دم اُس کا نام لینے سے بغیر اس کے کہ مثال سے اس کی توضیح[3] نہ ہو اس کی بے قدری ہوگی اور وجہ بے قدر ہونے کی یہ ہے کہ ہزاروں مرتبہ آپ کے کان میں اس کا نام پڑا ہوگا لیکن چونکہ اس کی حقیقت سے آگاہی نہیں اور پورا تنبہ اس کی ماہیت[4] پر نہیں اس لئے اس کی عظمت قلب میں اس درجہ کی نہیں کہ جیسی ہونا چاہیے اس لئے پہلے ایک مثال عرض کرتا ہوں اس سے آپ کو اس نعمت کا موازانہ ہوگا کہ کس درجہ عظیم القدر ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ دنیا میں جو بڑے حکام ہیں ان کے برتاؤ آپ کے ساتھ کیا ہیں اگر آپ کو ان سے کچھ کہنا ہوتا ہے تو یہ نہیں ہوتا کہ آپ ان سے بلاواسطہ ہمکلام ہوں بلکہ بواسطہ خانساماں یا اردلی یا کسی مصاحب کے عرضی پیش کی جاتی ہے اور اس عرضی کے بھی شرائط وضوابط ہیں اگر ایک شرط بھی فوت

(۱) خالی ہاتھ (۲) رنج (۳) وضاحت (۴) اصلیت

ہوجائے تو وہ عرضی پیش نہیں ہوسکتی ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ بلاواسطہ گفتگو ہو اگر ہوتا بھی ہے تو اعلیٰ طبقے کے لوگوں کو گاہے ایسا موقع مل جاتا ہے اور وجہ بلاواسطہ ہمکلام نہ ہونے کی حکام کی عظمت ہے اور ظاہر کہ عظمت کے مراتب مختلف ہوتے ہیں جس درجے کی عظمت ہوتی ہے اسی درجے میں ہم کلامی دشوار ہوتی ہے سررشتہ دار سے بات کرلینا آسان ہے اور کلکٹر سے اس کی نسبت مشکل اور کلکٹر سے زیادہ صعب[1] گورنر سے ہی اور گورنر سے زیادہ وائے سرائے سے اور وائے سرائے سے بڑھ کر بادشاہ سے غرض عظمت کے تفاوت[2] سے مکالمہ میں بھی فرق ہوتا چلا گیا ہے پس معلوم ہوا کہ وجہ اس دشواری کی عظمت ہے اب آپ اپنی نظر کو اور وسعت دیجئے اور غور فرمائے کہ حق تعالیٰ شانہ سے زیادہ کسی کی عظمت نہیں اور نہ ہوسکتی ہے محال ہے کہ کوئی حق تعالیٰ کی برابر عظمت رکھتا ہو اس لئے کہ اگر کوئی ایسا ہو تو وہ اُس کا شریک ہوگا اور شرکت محال ہے پس عظمت حق تعالیٰ کی سب سے زیادہ ہوئی اور عظمت میں کوئی اس کا شریک نہیں بلکہ شرکت تو درکنار اس کی عظمت سے تدانی[3] و تقارب بھی کسی کو نہیں اس لئے کہ خدا تعالیٰ کی عظمت غیر متناہی[4] ہے اور دوسروں کی عظمت متناہی۔ تو متناہی کو غیر متناہی سے تقارب کیسے ہوسکتا ہے اور ابھی ثابت ہوچکا ہے کہ حکام دنیا سے ہم کلامی کا دشوار ہونا عظمت کے تفاوت سے ہے لیکن چونکہ عوام اور حکام میں عظمت کا تفاوت زیادہ ہے اور خواص اور حکام میں کم ہے۔ اس لئے عوام کو بہت شاذو نادر[5] اور خواص کو کسی وقت بلاواسطہ ہم کلامی میسر ہو بھی جاتی ہے اور حق تعالیٰ کی عظمت چونکہ غیر متناہی ہے اس لئے اس کے ساتھ کسی مخلوق کی عظمت کو کوئی نسبت نہیں کہ ہم کلامی ہوسکے پس اس عظمت غیر متناہیہ کا مقتضاء یہ تھا کہ حق تعالیٰ سے

---

(۱) مشکل (۲) فرق (۳) نزدیکی اور قربت (۴) اسکی انتہاء نہیں (۵) کم کم

ہم کلامی کی کسی کو اجازت نہ ہوتی نہ کسی نبی کو نہ فرشتے کو شاید آپ کو یہ خیال ہو کہ بلاواسطہ ہم کلامی نہ ہوتی تو بواسطہ تو ہوسکتی تھی جیسے حکام دنیا سے عوام کو بواسطہ خواص ہوسکتی ہے تو یہ خیال صحیح نہیں اس لئے کہ واسطہ وہ بن سکتا تھا۔ جس کو بلاواسطہ کلام کرنے کی اجازت ہوتی لیکن ابھی ثابت ہوچکا ہے کہ حق تعالیٰ کی عظمت غیر متناہی ہے اس لئے کوئی واسطہ ایسا نکلنا محال ہے کہ اس کی عظمت کو کوئی نسبت حق تعالیٰ کی عظمت کے ساتھ ہو پس اس سے یہ لازم آتا ہے کہ کوئی شخص بھی ہم کلامی سے مشرف نہ ہوتا۔

ہمکلامی نہ ہونے کے اثرات

صاحبو! اگر خدا تعالیٰ اسی کے موافق برتاؤ فرماتے تو کیا آپ کو ہم کلام ہونے کی اجازت ہوتی اور جب نہ ہوتی تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ کیا ہوتا کوئی خشک مغز کہہ سکتا ہے کہ کچھ بھی نہ ہوتا اس لئے مجھے اس کی ضرورت ہے کہ یہ بیان کروں کہ نہ ہونے سے کیا جان پر بنتی اور وہ دو مقدموں پر بنی ہے اول یہ ہے کہ دنیا میں دیکھ لیجئے کہ جب کسی کو کسی سے محبت ہوجاتی ہے۔ تو اس کے دیکھنے اور ہم کلام ہونے کے لئے اپنی جان مال آبرو سب کچھ برباد کردیتا اور کچھ پروا نہیں ہوتی تو اگر وہ محبوب یہ کہدے کہ خبردار ہم سے مت بولنا تو اس وقت دیکھ لیجئے کہ عاشق پر کیا گذرے گی کسی وقت اس کو چین نہ آئے گا اور یہ چاہے گا کہ بلاواسطہ ہم کلامی نصیب نہ ہو تو بواسطہ ہی ہوجائے کوئی خط ہی پہنچادے کوئی پیغام ہی اس کو جا سنادے۔ اس سے ثابت ہوا کہ محب کو اپنے محبوب سے ہم کلامی کی تمنا ہوتی ہے ایک مقدمہ تو یہ ہوا دوسرا مقدمہ یہ سمجھئے کہ ہر شخص کو خصوص مومن کو حق تعالیٰ کے ساتھ محبت ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "والذین آمنوا اشد حباللہ"[1] یعنی جو لوگ مومن ہیں وہ اللہ کی محبت میں بہت سخت ہیں اگر

---

(1) البقرہ آیت ۱۶۵

کوئی کہے کہ کفار کو تو نہیں ہے۔ ورنہ وہ کفر نہ کرتے اگر غور کیاجائے تو ان کو بھی ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں "کلا انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون"[1] یعنی بیشک اس دن (قیامت کے دن وہ کفار اپنے رب سے حجاب میں ہونگے۔ اس آیت کے اشارے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو بھی محبت ہے ورنہ یہ وعید ان کو کیوں سنائی جاتی یہ تو دلیل نقلی ہے۔ محبت اور واقعات میں اگر غور کیاجائے تو بہت واضح ہے کہ ہر شخص کو اپنے خالق سے خلق حبی ہے دیکھو جس وقت آدمی سب کاموں سے فارغ ہوتا ہے اس کو ایک توجہ اپنے مولیٰ کی طرف ہوتی ہے۔

اسباب محبت

اور اگر یہ سمجھ میں نہ آئے تو یوں سمجھئے کہ ہر شخص کو کسی نہ کسی شئے سے یا آدمی سے محبت ہے کسی کو عورت سے کسی کو اولاد سے کسی کو باغ سے کسی کو جانوروں سے اور یہ ظاہر ہے کہ منشاء محبت کا یہ اشیاء من حیث[2] ھِیَ ھِیَ نہیں ہیں بلکہ محبوب ان کا کوئی وصف ہوتا ہے مثلاً کسی کو حسن محبوب ہے کسی کو علم کی وجہ سے محبت ہے کسی کو محسن ہونے کی وجہ سے محبت ہے۔

محبوب حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے

اس کے بعد سمجھئے کہ تمام کمالات حق تعالیٰ کے لئے بالذات ثابت ہیں اور مخلوق کے لئے بالعرض (۳) جو کمال جس کے اندر ہے حق تعالیٰ کی ذات پاک اس کے لئے واسطہ فی الاثبات ہے جیسے کسی نے کہا۔

ع۔ چہ باشد آں نگار کہ بند دایں نگارہا

(وہ محبوب کس قدر حسین ہوگا جس نے ایسی اعلیٰ اعلیٰ درجہ کی حسین صورتیں بنائی ہیں)

اور بعض کے کلام سے واسطہ فی العروض بھی معلوم ہوتا ہے چنانچہ کہتے ہیں

---

(۱) المطففین آیت ۱۵ (۲) اپنی ذات کے اعتبار سے نہیں (۳) عرض اس شئی کو کہتے ہیں جو بذات خود قائم نہ ہو بلکہ اسکا قیام کسی دوسری شئی کے ساتھ ہو جیسے رنگ کپڑے پر اور حرف کاغذ پر کپڑا اور کاغذ جوہر ہے اور رنگ حرف وعرض ہے

[1]

حسن خویش ازروی خوباں آشکارا کردہ　　　پس بہ چشم عاشقاں خودرا تماشا کردہ

(اپنے حسن کو محبوبان دنیا کے ذریعہ آشکارا کر کے تو نے عاشقوں کی آنکھ سے خود ہی اس کا نظارہ کیا ہے یعنی حقیقۃً حسن اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے محبوبان دنیا مظہر ہیں)

حدیث شریف میں ہے "ان اللہ جمیل ویحب الجمال" (بیشک اللہ تعالیٰ جمیل ہیں اور جمال ہی کو پسند فرماتے ہیں) علیٰ ھذا جس قدر کمالات ہیں وہ سب بالذات حق تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں چنانچہ بہت سے کمالات نو دونہ اسماء[1] میں ہیں وہ سب بالذات حق تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ جس کو جس سے کسی کمال کی وجہ سے محبت ہے تو حقیقت میں اس کا محبوب وہ کمال ہے اور وہ کمال حق تعالیٰ کے لئے ہے۔ پس اس کا محبوب حقیقی حق تعالیٰ ہوا مثلاً کسی سے جمال کی وجہ سے محبت ہے تو اس کا محبوب حقیقی جمال ہے خود وہ شخص من حیث ہو ہو نہیں اس کی ایسی مثال ہے جیسے آفتاب طلوع ہوا اور اس کی شعاعیں دیوار پر واقع ہوئیں تو کوئی شخص دیوار کے منور ہونیکی وجہ سے اس کا عاشق ہو کر اسی کو تکنے لگے تو وہ واقع میں دیوار کا محب نہیں ہے بلکہ آفتاب اس کا محبوب ہے اور یہ اس کی غلطی ہے کہ دیوار کو مقصود اپنا سمجھتا ہے

عشق بامردہ نباشد پائدرا　　　عشق را باحی و باقیوم دار

(مرنے والے کے ساتھ عشق کو پائیداری نہیں ہے اسلئے اس حی و قیوم کا عشق اختیار کرو جو ہمیشہ باقی ہے)

عشق ہائے کز پئے رنگے بود　　　عشق نبود عاقبت ننگے بود

(جو عشق و محبت محض رنگ و روپ پر ہوتا ہے وہ واقع میں عشق نہیں بلکہ وہ انجام اور عاقبت کی بربادی ہوتا ہے)

---

[1] اللہ کے ننانوے ناموں

عاشقی بامردگان پابندہ نیست　　زانکہ مردہ سوئی ما آئندہ نیست

(مُردوں کے عشق کو بقا نہیں ہے اس لئے کہ وہ مُردہ پھر ہمارے پاس آنے والا نہیں ہے)

غرق عشقی شو کہ غرق ست اندریں　　عشقہائے اولین و آخریں

(عشق حقیقی میں غرق ہوجاؤ کہ اس میں اولین و آخرین کا عشق انجام کو پہنچا)

غرض جس قدر صفات و کمالات ایسے ہیں کہ جن سے محبت ہوتی ہے وہ سب حقیقۃً حق تعالٰی کے لئے ہیں پس حق تعالٰی ہی سب کے محبوب ہوئے اور جب محبوب ہوئے تو اپنے محبوب سے ہم کلامی کی ہر ایک کو تمنا ہوتی ہے پس ان مقدمات سے ثابت ہوا کہ اگر حق تعالٰی سے ہم کلامی نہ ہوتی تو سخت حسرت و افسوس ہوتا بلکہ بہت سے تو اس کو سن کر اپنی جانیں تلف کردیتے اور چونکہ عظمت اور محبوبیت دونوں حق تعالٰی کے اندر غیر متناہی ہیں اس لئے اول کا مقتضیٰ[1] تو یہ تھا کہ ہم کلامی صرف ممتنع[2] ہی نہیں بلکہ ہم کلامی کا قصد بھی جرم ہوتا اور ثانی کا مقتضیٰ یہ تھا کہ ایسا ہوتا تو بندوں کی پوری ہلاکت تھی صاحبو نہایت غور کا مقام ہے کہ اگر مقتضائے قیاس و عقل کے موافق ہمارے ساتھ برتاؤ ہوتا تو ہمارا کہاں ٹھکانا تھا۔

ہم کلامی کی اجازت بسبب رحمت کے ہے

پس یہ معاملہ ہمارے ساتھ نہیں فرمایا بلکہ ہمارے ضعف و عجز و ذلت و ہیچ اور بے بس و بے کس ہونے پر نظر فرمائی اور وہ بھی اس طور سے کہ ہماری طرف سے کوئی خواہش نہیں ہوئی اس لئے کہ ہمارا تو اس وقت وجود بھی نہ تھا معدوم محض تھے اپنی وسعتِ علم سے یہ نظر اور رحمت ہوئی ہے

ما نبودیم و تقاضا ما نبود　　لطفِ تو ناگفتۂ ما می شنود

(یعنی ہم پہلے بالکل نہ تھے نہ ہمارا تقاضہ و سوال تھا مگر آپ کا لطف ہماری ان کہی

(۱) تقاضا (۲) محال

باتیں سنتا تھا)

خود رحمت ہی ہماری شفیع[1] ہوئی کہ عدم تحمل[2] وضبط و ضعف و بے صبری ملحوظ رکھ کر اس کے موافق معاملہ فرمایا اور اپنی عظمت کے مانع ہونے[3] کا لحاظ نہیں فرمایا اسی واسطے تو حدیث شریف میں آیا ہے "سبقت رحمتی علی غضبی" (میری رحمت میرے غضب سے بڑھ گئی) اس کی مثال بلا تشبیہ ایسی ہے جیسا ایک شخص بڑا فصیح و بلیغ ہو اور وہ کسی گنوار کے ساتھ ہم کلام ہوتا اور اپنے درجۂ فصاحت سے گر کر اور متنزل ہو کر اس سے اسی زبان میں گفتگو کرتا ہے یا جیسے بڑا آدمی بچہ سے توتلا بنکر بات کرتا ہے اس لئے کہ مخاطب نہایت کم درجہ کا ہے جیسے میرٹھ میں میں نے ایک انگریز وکیل کو ایک گنوار سے کہتے سنا کہ تیرا ایہی مطبل (مطلب) ہے اس لئے کہ اگر وہ اپنے درجے پر رہ کر اپنی استعداد کے موافق کلام کرے تو کسی شخص کی سمجھ میں نہ آئے تفضل حسین خان ایک زمیندار تھے لغت بہت بولتے تھے گاؤں والے ایک مرتبہ ان کے پاس آئے تو آپ ان سے کہتے ہیں امسال تمہاری کشت[4] زار گندم پر تقاطر امطار ہوا یا نہیں۔ گاؤں والے آپس میں کہنے لگے کہ اس وقت چلو میاں قرآن پڑھ رہے ہیں اور بلا تشبیہ میں نے اس لئے کہا کہ یہاں تو بڑے لوگوں کی چھوٹوں سے اغراض بھی وابستہ ہوتی ہیں اس لئے اگر وہ ایسا کریں کے تو خود اپنا بھی نقصان ہے۔ بخلاف خداوند تعالیٰ شانہ کے کہ اگر وہ اپنی عظمت کے موافق بھی ہمارے ساتھ معاملہ فرماتے تو عین عدل تھا اور ان کا کچھ نقصان نہ تھا اسلئے کہ وہ غنی بالذات ہیں مخلوق کی ان کو کسی درجے میں بھی احتیاج نہیں ہے باوجود اس کے اپنی علوشان کے موافق برتاؤ نہیں فرمایا بلکہ ہم کو اپنی ہم کلامی کی اجازت دیدی۔

---

(۱) سفارش کرنے والی (۲) برداشت (۳) روکنے والی (۴) اس سال تمہارے گیہوں کے کھیت پر بارش ہوئی کہ نہیں

اللہ کا ذکر کرنے میں القاب و آداب کی قید نہیں

اور پھر رحمت پر رحمت یہ ہے کہ کسی زبان کی قید نہیں رکھیںبلکہ جو زبان جس کی ہو اسی زبان میں اپنی درخواست پیش کرسکتے ہیں۔

ہندیاں را اصطلاح ہند مدح سندیاں را اصطلاح سند مدح

(ہندوستانیوں کی مدح و ثنا ہند کے اصطلاح و محاورہ میں ہے اور سند والوں کی مدح و ثنا سند کے اصطلاح و محاورہ کے موافق ہے)

ہر کسے را سیرتے بنہادہ ایم ہر یکے را اصطلاحے دادہ ایم

(ہر شخص کی خو بو ہم نے جدا رکھی ہے اور ہر ایک کو ایک اصطلاح و زبان ہم نے عنایت فرمائی ہے)

دنیا میں دیکھئے کہ چھوٹے چھوٹے حکام کے یہاں بجز حضور اور سرکار کے کوئی بات نہیں کرسکتا بلکہ اب تو بعض حکام بجز انگریزی کے کسی زبان میں نہ بات کرتے ہیں نہ عرضی لیتے ہیں اور وہاں یہ ہے کہ نہ زبان کی قید ہے اور نہ الفاظ خاصہ والقاب و آداب کی ضرورت ہے ''اے اللہ اے رب کافی ہے پس یہ خداوند تعالیٰ کی وسعت رحمت ہے کہ ہر شخص اپنی اصطلاح کے موافق ان سے ہم کلام ہوسکتا ہے ورنہ قانونی الفاظ تو بہت سچے سکے ہوتے ہیں اور یہ زبان کی قید نہ ہونا وہاں ہے جہاں ہم کلامی ہی محض مقصود ہو اور اپنی درخواست کا پیش کرنا منظور ہو اس کیلئے کسی خاص اصطلاح و لسان کی ضرورت نہیں۔ بخلاف نماز و اسماء توقیفیہ[1] کے اس میں اذکار معونہ[2] کی قید لازم ہے باقی جہاں محض ذکر و دعاء ہو وہاں کوئی روک ٹوک نہیں خواہ عربی ہو خواہ فارسی ہو انگریزی اردو سب برابر ہیں اور نماز میں گو زبان کی قید ہے لیکن اس میں بھی یہ وسعت ہے کہ جب تک وہ نہ آئے اور کچھ سبحان اللہ وغیرہ پڑھتے رہو اگر یہ بھی نہ آئے تو ساکت کھڑے رہو اور اگر آجائے تو لب و لہجے کی

(۱) وہ نام جن پر واقف بنایا گیا ہے (۲) متعین ذکر کرنے

تخصیص نہیں ہے جس طرح جس کو آسکتا ہو پڑھے یہ شرط نہیں ہے کہ عرب کا لہجہ ہو یا مصری لہجہ ہو۔ ابوداؤد میں حدیث ہے کچھ صحابہؓ جن میں آدھے عربی آدھے عجمی[1] تھے۔ قرآن شریف پڑھ رہے تھے حضور ﷺ باہر تشریف لائے اور فرمایا "اقرء وا فکل حسن" (پڑھتے رہو سب ٹھیک ہے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب ایک درجے میں نہیں پڑھتے تھے اس لئے کہ ان میں عجمی بھی تھے اور وہ سب کے سب مجود[2] نہ تھے تو آپ نے اس لئے یہ فرمایا تاکہ یہ لوگ شکستہ دل نہ ہوں کہ ہم قرآن اچھا نہیں جانتے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ۔

ما بروں را ننگریم وقال را　　　ما دروں را بنگریم وحال را

(یعنی ہم ظاہر اور قال کو نہیں دیکھتے بلکہ باطن اور حال کو دیکھتے ہیں)

ناظر قلبیم اگر خاشع بود　　　گرچہ گفت لفظ ناخاضع بود

(ہم قلب کے دیکھنے والے ہیں اگر فروتنی وعاجزی کرنے والا ہووے اگرچہ لفظ خاضع یعنی عاجزی وفروتنی کرنے والا نہ ہو یعنی قلب کا اعتبار ہے الفاظ کا اعتبار نہیں ہے)

براشہد تو خندہ زند اشہد بلال

(یعنی تمہاری اشہد ان لا الہ الااللہ پر حضرت بلالؓ کے اشہد ان لا الہ الااللہ کو خندہ[3] آتا ہے کیونکہ حضرت بلالؓ خشوع و خضوع سے کہتے تھے اور تمہارے الفاظ ہی الفاظ ہیں)

ذکر و تلاوت میں اخلاص ضروری ہے

حضرت حبیب عجمیؒ ایک مرتبہ تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے حضرت حسنؒ کا ادھر گذر ہوا دیکھا تو ان کے الفاظ درست نہیں ہیں اس لئے ان کی اقتدا نہ کی خواب میں حق تعالیٰ کو دیکھا تو پوچھا کہ اے اللہ بہترین اعمال کیا ہے حکم ہوا کہ حبیب عجمی کے پیچھے نماز پڑھنا۔

---

(۱) غیر عربی (۲) تجوید سیکھے ہوئے قاری (۳) ہنسی

اس سے معلوم ہوا کہ اصل شئے اخلاص ہے کوئی یہ نہ کہے کہ فقہاء نے تو یہ کہا ہے کہ اولھم بالامامۃ اقرء ، ھم کہ اولیٰ امامت کے لئے وہ ہے جو اقرء ہو بات یہ ہے کہ یہاں اقتداء اور امامت کی بحث نہیں ہے کیونکہ وہ تو پہلے سے کھڑے پڑھ رہے تھے اس حکایت کی غرض یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کے یہاں وہ عمل مقبول ہے جو دل سے ہو البتہ حروف کی تصحیح بے شک واجبات سے ہے سو ان کے حروف غلط نہ ہوں گے لیکن بہت زیادہ جید[1] نہ ہوں گے باقی اقتداء ان کی جائز ہوگی تو مطلب یہ نہیں کہ حرفوں کو بھی صحیح نہ کرے لیکن شکایت تو اس کی ہے کہ اصلاح قلب کو لوگوں نے بالکل ہی پس پشت ڈالدیا ہے اس کی طرف مطلق التفات نہیں حالانکہ مدار قلب پر ہے بہت سے اللہ کے بندے ایسے ہیں کہ ظاہری حالت ان کی اچھی نہیں ہوتی ہے لیکن چونکہ قلوب ان کے اللہ تعالیٰ کی محبت سے پر ہیں اس لئے وہ مقبول ہیں اور بہت سے ایسے ہیں کہ ظاہر ان کا بہت اچھا ہے لیکن قلب میں چونکہ حب[2] دنیا ہے اس لئے مطرود[3] ہیں یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی شخص کو صرف اپنے اعمال ظاہرہ پر نظر کر کے اس کی بنا پر اپنی حالت کو دوسرے سے اچھی نہ سمجھنا چاہئے اس لئے کہ زیادہ مدار قلب پر ہے اور قلب کا حال اسکو خود کو بھی معلو نہیں ہوتا تو اپنے کو کیسے اچھا سمجھ لے اسی طرح دوسرے کے قلب کا حال معلوم نہیں تو اس کو کیسے برا سمجھ لے مثنوی شریف میں شبان موسیٰ کی حکایت اس کی شاہد ہے کہ بظاہر وہ کلمات بے ادبی کہہ رہا تھا لیکن چونکہ دل سے اور محبت سے کہتا تھا اس لئے موسیٰ علیہ السلام سے بوجہ ان کے اس کو روک دینے کے پرسش ہوئی اور ارشاد ہوا کہ۔

ہندیاں را اصطلاح ہند مدح　　　سندیاں را اصطلاح سند مدح

(ہندیوں کے لئے ہند کی اصطلاح مدح ہے اور سندھیوں کے لئے سند کی اصطلاح مدح ہے)

---

(۱) عمدہ (۲) دنیا کی محبت (۳) نکالے ہوئے

اللہ کی شان کے لائق الفاظ میں حمد و ثنا سے انسان قاصر ہے

اور حقیقت اس کی یہ ہے کہ ہم جو ادب کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرتے ہیں اصل میں ان کی شان کے لائق وہ بھی نہیں کیونکہ تسبیح سے اس کی ذات عالی کہیں زیادہ ہے مولانا نے اس کی عجیب مثال بیان فرمائی ہے فرماتے ہیں۔

شاہ را گوید کسی جولاہہ نیست　　　این نہ مدح اوست مگر آگاہ نیست

(یعنی اگر بادشاہ کو کوئی کہے کہ وہ جولاہہ نہیں ہے تو یہ مدح نہیں ہے لیکن چونکہ اس شخص کو بادشاہ کے علو مرتبہ کی خبر نہیں تو اپنے نزدیک اس نے مدح کی ہے مگر واقع میں ذم ہے) پس یہی حالت ہمارے تنزیہ کی ہے کہ وہ ان کے اظہار عظمت کے لیے کافی نہیں حتیٰ کہ سید العابدین فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس مقام پر فرماتے ہیں "لااحصی ثناءً علیک انت کما اثنیت علی نفسک" (یعنی میں تیری تعریف نہیں کرسکتا تو اسی تعریف کے لائق ہے جو تو نے اپنی ذات کے لیے کی ہے) وجہ یہ ہے کہ ہم ممکن ہیں اور ممکن سے واجب کے کمالات کا احاطہ نہیں ہوسکتا ہے خوب کہا ہے۔

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں

(عنقا کسی سے شکار نہیں ہوتا جال کو سمیٹ لو)

حتیٰ کہ قیامت کے دن جب حضور ﷺ شفاعت کریں گے تو فرماتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد ایسے الفاظ سے کروں گا کہ اس وقت وہ الفاظ میرے ذہن میں نہیں ہیں۔

ای برادر بے نہایت درگہیست　　　ہرچہ بروی میرسی بروی مایست

(اے بھائی بے نہایت درگاہ ہے جس درجہ پر پہنچو اس پر مت ٹھہرو بلکہ آگے کو ترقی کرو۔

کسی نے خوب کہا "کل ماخطر ببالک فھو ھالک واللہ اجل من ذلک"

(جو تصویریں تمہارے ذہن میں گذرتی ہیں سب فنا ہونے والی ہیں خدا تعالیٰ اس سے بہت برتر ہیں) مگر باوجود اس کے اسی حالت میں ہم کو ہم کلامی کی اجازت بخشی یہ کتنی بڑی رحمت ہے ورنہ جب اس کی ذات پاک ایسی عظیم ہے تو بتلائیے کیا صورت تھی اس سے ہم کلامی کی پس قیاس کے موافق تو یہ تھا کہ کسی شخص کو بھی اس کے یاد کرنے کی اور اس سے ہم کلام ہونے کی مطلقاً بھی اجازت نہ ہوتی اگر ایسا معاملہ ہوتا تو ہماری کیا حالت ہوتی کہ نہ تو بدون[1] یاد کے تسلی ہوتی اور اگر یاد کریں تو مجرم بنتے۔

دو گونہ رنج و عذاب ست جان مجنوں را　　بلائے فرقت لیلےٰ و صحبت لیلےٰ

(یعنی مجنوں کی جان کو دو گونہ رنج و عذاب ہے ایک لیلیٰ کی جدائی کی مصیبت دوسرے صحبت لیلیٰ کی مصیبت)

اور بزبان حال یہ کہتے۔

من شمع جانگدازم تو صبح دلکشائی　　سوزم گرت نہ بینم میرم چورخ نمائی

(یعنی اے محبوب! میں شمع ہوں تو صبح ہے اگر تجھے دیکھ لوں تب بھی موت ہے کہ لوگ بجھا دیں گے اور اگر نہ دیکھوں تب بھی ہلاکت ہے کہ جل جاؤں گا)

نزدیک آنچنانم دور آں چناں کہ گفتم　　نے تاب وصل دارم نے طاقت جدائی

(اس محبوب کی نزدیکی ایسی ہے اور جدائی ایسی جیسا کہ ذکر کیا نہ میں جدائی کی طاقت رکھتا ہوں نہ وصل کی تاب)

بلکہ ممکنات کو تو پیدا کرنا ہی محض رحمت ہے اور عظمت بظاہر اس سے بھی مانع ہے اس لئے کہ عظمت تو اس کو مقتضی ہے۔

---

(1) بغیر

چو سلطان عزت علم برکشد　　جہاں سر بہ جیب عدم در کشد

(جب محبوب حقیقی کی تجلی وارد ہوتی ہے تو سب چیزیں فنا ہوجاتی ہیں)

اگر آفتاب سب یک ذرہ نیست　　وگر ہفت دریاست یک قطرہ نیست

(اگر تمام مخلوق مثل آفتاب کے ہے خدا تعالیٰ کے سامنے ایک ذرہ کی برابر نہیں اور مثل سات دریاؤں کے ہے تو اللہ تعالیٰ کے روبرو ایک قطرہ کے برابر بھی نہیں)

ممکن واجب کے سامنے کوئی چیز نہیں پس خود پیدا کرنا ہی اس کے غنا اور عظمت کے ہوتے ہوئے عجیب ہے پھر پیدا کر کے اس رحمت کو ملاحظہ فرمائیے اجازت دیدی تصور کی حالانکہ وہ ہمارے تصور سے بدرجہا بڑھ کر ہے اور اس اعتبار سے یہ ہمارا تصور بھی اس کے عظمت وجلال کے سامنے ذنب[1] ہونا چاہئے۔

اے برتر از خیال وقیاس وگمان ووہم　　وزہرچہ گفتہ اند وشنیدیم وخواندہ ایم

(اے اللہ! آپ ہمارے خیال و قیاس و گمان اور وہم سے برتر ہیں اور جو کچھ ہم نے سنا اور پڑھا ہے اس سے بھی آپ برتر ہیں)

دفتر تمام گشت وبپایاں رسید عمر　　ماہمچناں در اول وصف توماندہ ایم

(یعنی دفتر ختم ہوگیا اور عمر اختتام کو پہونچگئی ہم ایسے ہی آپ کے پہلی خوبی بیان کرنے میں رہے)

ان سب امور پر نظر کر کے ملاحظہ فرمائیے کہ ہم کو کلام کرنیکی اجازت دیدی کیا ہمارا منہ تھا ہرگز نہیں۔

چہ نسبت خاک را باعالم پاک

(خاک کو عالم پاک سے کیا نسبت ہے)

پھر حکام دنیا کو دیکھئے کہ اگر کبھی اجازت بات کرنیکی ہوتی ہے تو بڑے القاب و آداب کے ساتھ ہوتی ہے حاکم کا نام کوئی نہیں لیتا بلکہ سخت جرم ہے۔ صاحبو! اگر حق تعالیٰ بھی اپنے نام پاک کے ساتھ القاب و آداب کی شرط لگاتے تو بتلائیے کہ ہم وہ القاب و آداب جو اس بارگاہ کے لائق ہیں کہاں سے لاتے اگر ازل سے ابد تک ان القاب و آداب کے لانے میں مشغول رہتے تو ان ہمارے القاب کی حق تعالیٰ کے اوصاف کے مقابلہ میں وہ نسبت بھی نہ ہوتی جیسی ایک قطرہ کو سمندر سے ہوتی ہے "قل لو کان البحر مدادا لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولوجئنا بمثلہ مددا"[1] (آپ کہہ دیجئے کہ اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لئے سمندر (کا پانی) روشنائی (کی جگہ) ہو تو میرے رب کی باتیں ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہوجائے (اور باتیں احاطہ میں نہ آویں) اگرچہ اس سمندر کی مثل ایک دوسرا سمندر اس کی مدد کے لئے ہم لے آویں)

نہ حسنت غایتی دارد نہ سعدی را سخن پایاں بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

(یعنی نہ محبوب حقیقی کے حسن کی انتہا ہے نہ سعدی کے کلام کی جیسے جلندر والا مرجاتا ہے اور دریا باقی رہ جاتا ہے ایسے محبوب کے حسن کا بیان باقی رہ گیا)

داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار گلچیں بہار تو زداماں گلہ دارد

(نگاہ کا دامن تنگ ہے تیرے حسن کے پھول بہت ہیں تیری بہار کے پھول چننے والا کوتاہی دامن کی شکایت کرتا ہے یعنی محبوب حقیقی کے کمالات واوصاف کی انتہا نہیں بہت ہی ہیں ہماری زبان و نظر ان کے بیان کرنے سے قاصر وعاجز ہے)

تو جب یہ شان ہے تو بتلائیے وہ کون ذہن تھا جو القاب کا احاطہ کرسکتا تھا پس قیامت تک بھی اجازت نام لینے کی نہ ہوتی تو اس رحمت بے انتہا کو دیکھئے کہ اجازت نام لینے کی دی اور پھر القاب وغیرہ کی شرط نہیں فرمائی۔

---

1) الکہف آیت ۱۰۹

ذکراللہ میں کوئی قید نہیں کھڑے بیٹھے لیٹے وضو بے وضو ہر طرح جائز ہے

اس کے بعد ملاحظہ فرمائے کہ سلاطین دنیا سے اگر کوئی ان کے دربار میں حاضر ہوکر بات کرتا ہے تو حتیٰ کہ پاک صاف ستھرا ہوکر اچھا لباس پہنکر ہم کلام ہوتا ہے اگر میلا ہوگا بدبو آتی ہوگی تو نکال دیا جائے گا اگر حق تعالیٰ بھی اپنا نام لینے کے لئے پاک ہونے کی شرط فرماتے تو لاکھوں سمندروں سے ہم غسل کرلیتے تو اس وقت بھی لائق اس کے نہ ہوتے کہ نام لیں۔

ہزار بار بشویم دہن بہ مشک و گلاب   ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی ست

(اگر ہزاروں مرتبہ منہ کو مشک و گلاب سے دھویا جائے تو بھی اللہ تعالیٰ کا نام لینا کمال بے ادبی ہے)

مگر یہ رحمت فرمائی کہ جو طہارت قانونی ہے نام لینے اور ہم کلام ہونے میں اس کی بھی قید نہیں۔ پاک ناپاک وضو بے وضو ہر حالت میں اجازت نام لینے کی دیدی جب کہ حکام دنیا سے اگر کچھ عرض معروض کرنا ہوتا ہے تو ادب سے بیٹھ کر عرض کرتے یہاں اس کی بھی قید نہیں بلکہ فرماتے ہیں "فاذکروا اللہ قیاماً وقعوداً وعلی جنوبکم"[1] کہ کھڑے بیٹھے لیٹے ہر حالت میں اللہ کو یاد کرو۔ صاحبو! کیا کہیں ایسی اور اتنی رحمت دیکھی ہے پھر غضب ہے اور اندھیر ہے اور قیامت ہے کہ ایسی عظیم الشان نعمت کی طرف التفات تک نہ ہو بہت ہی افسوس ہے کہ ادھر سے تو یہ رحمت اور ادھر سے یہ اعراض۔

"واللہ العظیم" (قسم اللہ تعالیٰ بزرگ اور برتر کی) ایک مرتبہ اللہ کہنا دونوں جہان کی نعمتوں سے افضل ہے وہاں تو جو کچھ ملے گا مر کر معلوم ہوگا خود دنیا میں وہ حلاوت ولذت اس نام میں ہے کہ ہفت اقلیم کی سلطنت بھی اس کے مقابلہ میں گرد ہے۔

---

(۱) النساء آیت ۱۰۳

حضرت مولانا رفیع الدین صاحب مہتمم مدرسہ دیوبند کے ہمراہ میں ایک مرتبہ شاہ توکل شاہؒ انبالوی کی خدمت میں حاضر ہوا تو شاہ صاحب نے مولوی صاحب سے فرمایا کہ مولوی جی جب اللہ کا نام لیتا ہوں منہ میٹھا ہوجاتا ہے اور یہ نہ سمجھنا کہ میں تاویل سے کہتا ہوں واقعی سچ مچ ایسا میٹھا ہوتا ہے جیسا شکر سے میٹھا ہوتا ہے۔

اللہ اللہ این چہ شیرین است نام　　شیر و شکر میشود جانم تمام

(اللہ اللہ کیا شیریں نام ہے کہ اس کے کہنے سے تمام جان شیر و شکر ہوجاتی ہے)

ذکر کی توفیق ہونا یہ سب سے بڑا نفع ہے

حضرت حاجی صاحبؒ سے کسی نے پوچھا تھا کہ حضرت میں اللہ کا نام لیتا ہوں کچھ نفع نہیں حضرت نے فرمایا کہ تھوڑا نفع ہے کہ نام لیتے ہو یہ تمہارا نام لینا بھی نفع ہے اور کیا چاہتے ہو۔

گفت آں اللہ تو لبیک ماست　　وین نیاز و سوز و دردت پیک ماست

(یعنی وہ تمہارا اللہ کہنا ہمارا لبیک ہے اور یہ نیاز و سوز اور درد وغیرہ ہمارا قاصد)

پس دنیا میں تو یہ رحمت کہ نام لینے کی اجازت دی اور آخرت میں اس پر قبول و رضا فرمائیں گے۔ حالانکہ جو ذکر کے ضروری آداب ہیں وہ بھی ہم سے نہیں ہوسکتے ہیں ذکر کر رہے ہیں ہزاروں معاصی اور شہوات میں آلودہ ہیں پھر اس پر قبول عجیب در عجیب ہے۔

این قبول ذکر تو از رحمت است　　چوں نماز مستحاضہ رخصت است

(یعنی جیسے مستحاضہ عورت کو نماز پڑھنے کی رخصت ہے اسی طرح تمہارے ذکر کو قبول کرنا جو گناہوں اور ریا وغیرہ سے آلودہ ہے رحمت کی وجہ سے ہے)

ذکر کو اس شرط سے مشروط فرمادیتے کہ ہمارا نام جب لو کہ گناہ سے پاک ہو تو شاید کسی کو بھی نام لینا نصیب نہ ہوتا مگر یہ نہیں کیا بلکہ گنہگار کو نام لینے کی اجازت بھی

ہے اور باوجود گناہ کے نام لینے پر ثواب کا بھی وعدہ کیا اور یہ قاعدہ مقرر فرمایا "فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ"[۱] (جو شخص ذرہ بھر (دنیا میں) نیکی کرے گا وہ آخرت میں اس کو دیکھ لے گا) دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی شخص خواہ کتنا ہی کار گذار ہو لیکن جب وہ کوئی جرم کرتا ہے تو اس کی سب کار گذاریاں نظر سے نکل جاتی ہیں اس قاعدے کے موافق تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ گناہ نیکیوں کے مزیل ہوجائیں حق تعالیٰ کی رحمت یہ ہے کہ اس نے برعکس حسنات کو مزیل سئیات بنادیا فرماتے ہیں ان الحسنت یذھبن السیئات[۲] (بے شک نیکیاں گناہوں کو فنا کردیتی ہیں) غرض باوجود اس کے کہ گناہوں میں سر سے پاتک غرق ہیں اور حالت یہ ہے۔

سبحہ بر کف توبہ برلب ودل پر از ذوق گناہ معصیت را خندہ می آید ز استغفار ما

(تسبیح ہاتھ میں ہے لب پر توبہ اور دل گناہوں کے ذوق سے پر ہے ہمارے استغفار کرنے پر گناہ کو بھی ہنسی آتی ہے)

لیکن اس پر بھی اگر کوئی نیکی کرتے ہیں تو ضائع نہیں جاتی حالانکہ وجدان اس بات کو چاہتا ہے کہ گناہوں سے حسنات مٹ جائیں۔

غلبہ ندامت حجاب اور کثرت ذکر علاج ہے

چنانچہ اس وجدان کا یہ اثر ہے کہ جو لوگ طریق باطن میں مشغول ہیں ان سے اگر کوئی گناہ سرزد ہوجاتا ہے تو ان پر اس قدر ندامت سوار ہوتی ہے کہ بعض کی تو یہ ہمت نہیں پڑتی کہ پھر ذکر وطاعت میں مشغول ہوں اور حسنات سابقہ کے نور پر وہ معصیت ان کو غالب معلوم ہوتی ہے اسی مضمون کو کسی نے کہا ہے۔

احب مناجات الحبیب باوجہ لیکن لسان المذنبین کلیل

---

(۱) الزلزال آیت ۷ (۲) ھود آیت ۱۱۴

(یعنی میں چاہتا ہوں کہ محبوب سے نوع بنوع انداز سے باتیں کروں لیکن نہیں ہو سکتیں اس لئے کہ گناہگاروں کی زبان درماندہ وعاجز ہے۔ اور بظاہر یہ حالت اچھی نہیں ہے کہ گناہ کر کے طاعت سے بھی محروم رہا)

لیکن الحمدللہ کہ حق تعالیٰ نے مجھ کو یہ منکشف فرمادیا کہ یا حالت بھی بعض کے حق میں رحمت ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ دو قسم کے لوگ ہیں ایک تو عوام جنہوں نے اس طریق میں قدم ہی نہیں رکھا اور طلب کی شان ہی ان کے اندر پیدا نہیں ہوئی ان کی حالت تو یہ ہے کہ جس وقت قلب ان کا پاک صاف ہو اللہ کا نام لے لیا اور قلب کو دنیا کے تعلقات کی طرف توجہ ہوئی تو چھوڑ دیا یا بے توجہی سے نام لیا ان کو تو اس کی کچھ پرواہ ہی نہیں اس لئے استحضار[1] معصیت ان کو طاعت سے مانع نہیں ہوتا اور ایک وہ لوگ جو اس راہ کو قطع کر رہے ہیں اور کچھ ذوق ان کو حاصل ہو گیا ہے ان کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ جو ان کے قلب کی تعلق مع اللہ کی وجہ سے کیفیت ہے جس میں کسی غفلت و معصیت کی وجہ سے اگر ذرا بھی فرق آجائے تو ان کو بے حد دکھ ہوتا ہے اور خود ذکر و طاعت سے بھی ہمت پست ہوجاتی ہے اور آئندہ کو ذکر و طاعت کی جرأت نہیں ہوتی نہ اس وجہ سے کہ اپنے مولیٰ تعالیٰ شانہ سے ان کو غفلت ہوتی ہے بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ اب ہم کس منہ سے نام لیں سو یہ حالت بظاہر اچھی نہیں اس لئے کہ مانع ذکر ہے لیکن یہ بھی بعض حالات میں رحمت ہے اس لئے اس کا اثر بعض دفعہ یہ ہوگا کہ پھر ان سے وہ معصیت کبھی نہ ہوگی سو اس حالت میں تو رحمت ہے لیکن اتنی بات قابل تنبیہ ہے کہ اس حالت کے مقتضاء یعنی ترک ذکر پر عمل ہرگز نہ کرے بلکہ ایسی حالت والے کو یہ ضروری ہے کہ ذکر سے ایک دم غافل نہ ہو اور ہمت نہ ہارے اگرچہ سینکڑوں گناہ ہوتے رہیں مگر

(۱) گناہ کا استحضار

ذکر نہ چھوڑے کہ جو ظلمت مانع ہوئی تھی ذکر سے وہ زائل اس ذکر سے ہی ہوگی اور کوئی اس کا بدل نہیں ہے کہ اس سے زائل کر کے پھر ذکر میں لگے اگر ذکر میں لگے رہو گے تو انشاء اللہ تعالیٰ ایک روز اس بلا سے بھی خلاصی ہوجائے گی اس کے مناسب مولانا نے ایک حکایت بیان کی ہے کہ ایک ناپاک کا دریا پر گذر ہوا دریا نے کہا آجا میں تجھے پاک کردوں اس نے کہا میں ناپاک ہوں تیرے پاس آتے ہوئے شرم آتی ہے دریا نے کہا کہ تو جب پاک ہوگا میرے پاس ہی آنے سے ہوگا ورنہ اگر دور دور پھرا تو ناپاک ہی رہے گا تو اسی حالت میں آجا مجھ سے ایک موج اٹھیگی کہ تجھ کو پاک صاف کردے گی۔ اسی طرح تم کو بھی حکم ہے کہ باوجود غرق معاصی ہونے کے اس کے ذکر طاعت میں لگے رہو۔

باز آ باز آ ہر انچہ ہستی باز آ   گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ

(یعنی ہماری درگاہ کی طرف ضرور واپس آؤ جو کچھ بھی تم ہو واپس آؤ اگر کافر و بت پرست ہو تو بھی واپس آؤ)

ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست   صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

(ہماری درگاہ ناامیدی کی درگاہ نہیں سینکڑوں بار اگر توبہ توڑ چکے ہو تو پھر ہماری درگاہ کی طرف واپس آؤ اور توبہ کرو ہم قبول کریں گے)

اللہ کا نام اتنا آسان ہے کہ بچہ بھی لے سکتا ہے

دیکھا آپ نے حق تعالیٰ کی وسعت رحمت کہ ہر حالت میں اجازت دیدی کہ ہم سے باتیں کرلو ہمارا نام لیلو ہر حالت میں سماعت ہوگی کوئی حاکم ایسا دیکھا ہے اور پھر نام بھی کیسا سہل عظمت کا مقتضاء تو یہ تھا کہ نام بھی اس کا بہت بڑا ہوتا لیکن اس قدر مختصر اور اتنا آسان کہ بچے کہ جن کی زبان سے کوئی لفظ نہ نکلے وہ بھی تلفظ کرلیں ذات اتنی بڑی اور نام اتنا مختصر۔ دنیا میں ذرا ذرا سے آدمیوں کے القاب اتنے طویل ہیں کہ کئی سطروں میں آتے ہیں ایک شخص نے کسی سے پوچھا کہ

تمہاری کنیت کیا ہے کہا ابو عبداللہ السمیع العلیم الذی یمسک السماء ان تقع علی الارض الا باذنہ" (یعنی ایسے اللہ تعالیٰ کے بندہ کا باپ جو آسمان کو روکے ہوئے ہے اس بات سے کہ بلا اس کی اجازت کے زمین پر گر پڑے) اس نے کہا "مرحباً بک یا ابا نصف القرآن" (آفرین تجھ کو اے آدھے قرآن کے باپ) اور اللہ کا نام ایسا سہل کہ کوئی شخص خواہ دیہاتی ہو یا قصباتی بھی لام اور ہ کے ادا سے قاصر نہیں ہے ان عنایتوں کی کیا انتہا ہے۔ اب قابل غور امر یہ ہے کہ ان عنایات اور رحمت بے انتہا سے مقصود کیا ہے کہ ذکر میں قیود مذکورہ میں سے کوئی قید نہیں مقصود یہ ہے کہ کثرت ذکر ہو کوئی وقت ذکر سے خالی نہ ہو اسی واسطے سب عبادتوں میں قیود ہیں لیکن ذکر میں کوئی قید نہیں ہے آپ نے دیکھا کہ کتنی بڑی دولت و نعمت تم کو ہر وقت حاصل ہے اور تم کو اس کی طرف التفات بھی نہیں۔

یک سبد پُرنان ترا برفرق سر　　　　تو ہمی جوئی لب ناں در بدر

(یعنی روٹیوں کا ایک ٹوکرہ بھرا ہوا سر پر ہے اور تو روٹی کا ٹکڑا در بدر ڈھونڈھتا ہے سب سامان دولت حاصل کرنے کے باوجود یعنی زبان و قلب سب موجود ہیں اس پر بھی حاصل نہیں کرتے یہاں تک اس ہم کلامی کا نعمت عظمیٰ ہونا واضح ہو گیا۔

تفسیر آیت

اب میں آیات کی تفسیر کرتا ہوں جو آیتیں میں نے تلاوت کی ہیں ان سے پہلے حق تعالیٰ نے اپنے نور کی ایک مثل بیان فرما کر یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف جس کو چاہیں ہدایت فرمائیں سن کر طالبین کو بے چینی ہوئی کہ وہ نور کہاں ہے آگے جواب میں ارشاد ہے "فی بیوت اذن اللہ" الخ یعنی وہ نور ان گھروں میں ہے۔ بیوت سے مراد بقول مشہور مساجد ہیں اور باعتبار عموم لفظ وہ گھر

بھی ہیں جو کثرت ذکر کی وجہ سے مثل مساجد کے ہیں کہ جن میں اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے کہ ان گھروں کو بلند کیاجائے اور ان میں اس کا نام ذکر کیاجائے اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں ان میں صبح شام ایسے مرد کہ جن کو تجارۃ اور بیع اللہ کی یاد سے اور نماز کے قائم کرنے اور زکوۃ کے دینے سے نہیں روکتی یہ ترجمہ ہوگیا آیت کا اب آپ کو معلوم ہوا کہ وہ نعمت کیا ہے اس کو اگر اول دہلہ[1] میں بیان کردیا جاتا تو اس کی قدر نہ ہوتی تمہید مذکور کے بعد ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کی اجازت دینا کتنی بڑی نعمت ہے یہ مضمون آج سے پہلے کبھی ذہن میں نہیں آیا تھا۔

اللہ سے ہمکلامی کے حقوق

اب معلوم کرنا چاہیئے کہ ہر نعمت کے کچھ حقوق ہوتے ہیں اس نعمت کا حق کیاہے جو ہم کو ادا کرنا چاہیئے ان حقوق کو ایک مثال سے سمجھنا چاہیئے وہ یہ ہے کہ دیکھو جو شخص کسی حاکم سے ہم کلام ہوتا ہے وہ کیا انداز اختیار کرتا ہے وہ یہ کرتا ہے کہ اس حاکم کے خلاف مزاج و طبیعت نہیں کرتا ہے بدن پر کپڑے ہر وقت صاف رکھتا ہے کہ ایسا نہ ہو حاکم کی طبیعت مجھ سے مکدر ہوجائے منہ کو صاف رکھتاہے کہ بدبو نہ آنے لگے الفاظ کی رعایت رکھتا ہے کہ کوئی بے ادبی کا کلمہ نہ نکل جائے چنانچہ ان امور میں اگر کچھ فروگذاشت ہوجاتی ہے تو دھکے دیکر نکال دیا جاتا ہے اسلئے اس کو ہروقت یہ خیال رہتا ہے کہ اس طور سے رہنا چاہیئے کہ حاکم خفا نہ ہوجائے جب آپ کو معلوم ہوگیا کہ قرآن پڑھنا دعا کرنا ذکر کرنا یہ سب اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلامی ہے اور یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر ظاہری صورت و شکل اور لباس پر نہیں بلکہ نگاہ قلب پر ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے " ان اللہ لاینظر الی صورکم ولکن ینظر الی قلوبکم (یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو

---

(۱) پہلے مرحلہ

نہیں دیکھتے بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتے ہیں) تو کیا یہ شرم کی بات نہیں اور کیا قابل ترک نہیں کہ قلب میں معصیت کی نجاست لے کر اللہ تعالیٰ سے باتیں کرو کیا یہ بے حیائی نہیں ہے ہ جس منہ سے جھوٹ بولو غیبت کرو پھر اسی منہ سے اللہ کا ذکر کرو ایسی مثال ہے کہ ایک ہی چمچے سے فیرنی نکالو اور اسی سے گوہ نکالو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نعمت کی قدر ہی نہیں جانی وما قدروالله حق قدره (جیسی اللہ تعالیٰ کی عظمت و قدر کرنی چاہیئے ویسی اللہ کی قدر نہ کی) جب آپ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہیں تو آپ کو ہر وقت صاف لطیف نجاست ظاہری اور باطنی سے شستہ رہنا چاہیئے اور اوامر و نواہی جو عبادات اور معاصی کے بارے میں آتے ہیں وہ تو حامل الاطاعۃ [1] ہیں ہی، لیکن اگر صرف اتنی ہی بات پر نظر ہو کہ ہم احکم الحکمین سے ہم کلام ہوتے ہیں تو اس کے خیال سے انشاء اللہ تمام معاصی چھوٹ جائیں اور نیکوں کی رغبت ہوجائے مگر افسوس ہے کہ ہم نے اس نعمت کی قدر نہ جانی اور اپنے کو ضائع کردیا۔

اللہ پاک سے بواسطہ ہم کلامی عین رحمت ہے

اب یہاں ہلکا سا شبہ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جو کچھ آپ کہتے ہیں وہ صحیح ہے کہ ہم کو بولنے اور بات کرنے کی اجازت ہوگئی اور اس کا نعمت ہونا بھی معلوم ہوا لیکن وہ خود تو ہماری بات کا جواب نہیں دیتے اس لئے ہم کو شکر کرنے والی اور نشاط میں لانے والی کوئی شئے نہیں ہے تو جواب یہ ہے کہ شکر کرنے کے واسطے اس کا تصور کافی ہے کہ ہم ہم کلام ہیں باقی رہی یہ تمنا کہ اللہ خود ہم سے بلاواسطہ بات کریں تو صاحبو ذرا پہلے اپنی حالت کا اندازہ کرلو کیا حالت کا اقتضاء یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ شانہ بلاواسطہ آپ سے بات کریں یہی بڑی بات ہے کہ انہوں نے عرض معروض کرنے کی اجازت دیدی پس اس حالت کے ہونے میں یہ تمنا سخت گستاخی

---

(۱) فرمانبرداری کے حامل

وبے ادبی ہے چنانچہ اور بات کرنے کی اسی طرح روایت کی درخواست کو بے ادبی قرار دیا گیا ہے فرماتے ہیں "وقال الذین لایرجون لقاءنا لولا انزل علینا الملٰئکۃ اونریٰ ربنا لقداستکبروا فی انفسھم وعتو عتواً کبیراً"[۱] اور ارشاد ہے "وقال الذین لا یعلمون لولا یکلمنا اللہ او تاتینا آیۃ[۲] ۔ کذالک قال الذین من قبلھم مثل قولھم تشابھت قلوبھم۔ قد بینا الایات لقوم یوقنون" (یعنی جو لوگ ہمارے سامنے پیش ہونے سے اندیشہ نہیں کرتے وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں آتے یا ہم اپنے رب کو دیکھ لیں یہ لوگ اپنے دلوں میں اپنے کو بہت بڑا سمجھ رہے ہیں اور یہ لوگ حد سے بہت دور نکل گئے) یعنی جاہل لوگ کہتے ہیں کہ ہم سے اللہ تعالیٰ کیوں نہیں بات کرتے یا ہمارے پاس کوئی (فرمائشی) نشانی کیوں نہیں آتی جو لوگ ان سے پہلے ہوئے ہیں وہ بھی ایسے ہی کہا کرتے تھے ان سب کے دل یکساں ہیں ہم نے آیتیں بیان کردیں اس قوم کے لئے جو یقین کرتے ہیں یعنی بولنے سے مقصود احکام بتانا ہے سو ہم احکام بتا چکے اب ہم کلام ہونے کی ضرورت نہیں پس جو ضرورت تھی کلام کرنے سے وہ رفع ہو چکی ہے اب رہی لذت وہ جب ہو کہ یہ ملذذ صاحب حق تعالیٰ کے بولنے کے وقت باقی بھی رہیں سو ہم کلام ہونا تو بہت دور ہے اگر اپنا کلام بھی کسی شئے پر نازل فرمائیں تو وہ فنا ہو جائے چنانچہ فرماتے ہیں "لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل لرأیتہ خاشعاً متصدعاً من خشیۃ اللہ"[۳] (یعنی اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو (اے مخاطب) تو اس کو دیکھتا کہ خدا کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ جاتا) اور اسی طرح رویت کے متعلق ارشاد ہے "فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکا وخر موسی صعقا"[۴] (پس ان کے رب نے جو اس پر تجلی فرمائی (تجلی نے) اس پہاڑ کے پرخچے اڑا دیئے اور موسی علیہ السلام بے

---

(۱) الفرقان آیت ۲۱ (۲) البقرہ آیت ۱۱۸ (۳) الحشر ایت ۲۱ (۴) الاعراف آیت ۱۴۳

ہوش ہو کر گر پڑے) دیکھئے پہاڑ کو اور موسیٰ علیہ السلام جیسے نبی کو جب کلام اور تجلی کا تحمل نہ ہوا تو ہماری اور آپ کی کیا ہستی ہے پس معلوم ہوا کہ ہمارے لئے یہی بڑی نعمت ہے کہ ہم اپنی سب کچھ کہہ لیں اور اس طرف سے جواب نہ ملے اگر جواب ملتا تو عدم تحمل کی وجہ سے ہلاک ہوجاتے اسی واسطے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ تجلی اور عدم تجلی دونوں نعمت ہیں حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس وقت حضور ﷺ پر وحی کا نزول ہوتا تھا تو اونٹ کھڑا نہ ہوسکتا تھا اور آیا ہے کہ نزول وحی کے وقت حضور ﷺ کا چہرہ مبارک پسینہ پسینہ ہوجاتا تھا اور سانس بڑھ جاتا تھا ہوش اس طرف کا نہ رہتا تھا اور فرماتے ہیں کبھی مجھ پر وحی مثل صلصلۃ الجرس یعنی مثل جھن جھناہٹ جرس کے اور وہ مجھ پر سخت تر ہے اور یہ بھی داخل ہے اس بار میں کہ جس کے بارے میں فرمایا ہے "الم نشرح لک صدرک الخ"[1] یعنی کیا ہم نے اے محمد ﷺ آپ کے لئے آپ کے سینے کو نہیں کھولدیا اور جس بوجھ نے کمر توڑ دی ہم نے اس کو ہٹادیا جب سید الاولین والآخرین ﷺ کی بار کلام سے یہ حالت تھی حالانکہ یہ بواسطہ ہم کلامی تھی تو کیا ہر بازاری کا منہ ہے جو اس کا حوصلہ کرے۔

وحی کے بارے میں ایک شبہ اور اسکا جواب

یہاں ایک اور شبہ کا بھی حل کرنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ سالک کی دو قسمیں ہیں ابن الحال وابوالحال۔ ابن الحال تو وہ ہے جس پر حال غالب ہو۔ اور ابوالحال وہ ہے جو حال پر غالب ہو یعنی جو حال چاہے پیدا کرے مثل انس شوق وغیرہ تو اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب انبیاء پر کلام الہیٰ کا بار ہوا تو وہ ابن الحال ہوئے حالانکہ انبیاء علیہم السلام بلکہ صدیقین ابوالحال ہوتے ہیں تو جواب اس کا یہ ہے کہ وحی کی حقیقت میں حال نہیں ہے اس لئے حال تو ثمرہ مجاہدہ اور ریاضت کا ہے اور نبوہ موہبہ محضہ ہے چنانچہ ارشاد ہے "اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ"[2] (اس موقعہ کو تو

(۱) الانشراح آیت ۱ (۲) الانعام آیت ۱۲۴

خدا ہی خوب جانتا ہے جہاں اپنا پیغام بھیجتا ہے) اور جس حالت کے اعتبار سے ابو الحال اور ابن الحال کہا جاتا ہے اس کے اعتبار سے وہ ابو الحال ہوتے ہیں وحی اس مبحث سے خارج ہے۔

الحاصل کلام یا رویت کی دنیا میں تمنا کرنا غیر ضروری نہیں بلکہ مصلحت نہیں ہے اور جن سے کلام ہوا ہے وہ بھی بلاواسطہ نہیں ہوا چنانچہ ارشاد ہے "ماکان لبشر ان یکلمه الله الا وحیاً او من ورآء حجاب او یرسل رسولا فیوحی باذنه مایشاء انه علیم حکیم"[1] (یعنی کسی بشر کی مجال نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے بات کرے مگر بطور وحی کے یا پسِ پردہ یا فرشتہ بھیج دے پس جو چاہے وحی کرے اس لئے کہ وہ اس سے برتر ہے کہ بشر سے کلام فرمائے اور چونکہ حکیم ہے اس لئے مصلحت بھی اسی میں ہے۔ پس ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کا ہم سے ہم کلام نہ ہونا عین مصلحت اور حکمت ہے۔

تلاوت اور ذکر اس تصور سے ہو کہ اللہ تعالیٰ سن رہے ہیں تو ہم کلامی کا لطف آئیگا

رہا یہ کہ اس کے نہ ہونے سے حظ میں کمی ہے سو یاد رکھو کہ یہ کمی ہماری طرف سے ہے وہ یہ ہے کہ ہم کو اس طرف التفات نہیں ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے باتیں کرتے ہیں اور وہ ہماری پکار سنتے ہیں آپ تجربہ کرلیجئے اور قرآن شریف پڑھنے اور دعاء اور ذکر کے وقت اس کا تصور کیا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ سن رہے ہیں دیکھئے کس قدر حظ ہوتا ہے دیکھو اگر کوئی کسی پر عاشق ہو جائے اور معشوق یوں کہے کہ تم عرض حال کرو ہم پسِ پردہ بیٹھے سنتے ہیں تو عاشق صادق کو اتنا اذن[2] ایک دولت معلوم ہوگا کہ میری ایسی قسمت کہاں کہ میں کچھ کہوں اور وہ سن لے اور رو رو کر اور نوع بنوع[3] سے اپنا عرض حال کرے گا اور اس میں اس کو وہ ہی لطف ہوگا

(۱) الشوریٰ آیت ۵۱ (۲) اجازت (۳) قسم قسم سے

کہ جس طرح سامنے بیٹھ کر سنتا ہے پس حظ[1] کے حاصل کرنے کے لئے رؤیت(۲) اور ہم کلامی کی ضرورت نہیں۔

دنیا میں اللہ کا دیدار اور ہمکلام نہ ہونیکی وجہ

اور اصل وجہ رویت و کلام کے یہاں نہ ہونے کی یہ ہے کہ ہمارا وجود بوجہ تعلق ناسوت کے اس کی استعداد نہیں رکھتا ہے اور جس وقت اس کی استعداد اور تحمل اللہ تعالیٰ پیدا فرمادیں گے یعنی قیامت کے دن اس وقت انشاء اللہ تعالیٰ رویت و ہم کلامی کی دولت بھی نصیب ہوگی اور اس وقت زبانِ حال سے یہ درخواست کروگے۔

بنائے رخ کہ خلقے والہ شوند وحیراں　　بکشائے لب کہ فریاد ازمرد وزن برآید

(اے محبوب! اپنا چہرۂ انور دکھادیجئے کہ ایک مخلوق سرگشتہ وحیران ہورہی ہے اور اپنا لب مبارک کھول دیجئے مرد وعورت فریاد کررہے ہیں)

ہم نیم بس کہ داند ماحرویم　　کہ من نیز از طلب گاراں اویم

(یعنی یہی کافی ہے کہ ہمارے محبوب کو یہ معلوم ہوجائے کہ ہم بھی اس کے طلب گاروں میں ہیں اور اب تو اس پر کفایت کیجئے)

پس ہمت باندھ کر اپنے ہر فعل میں اس کا مراقبہ کرو کہ جو کچھ ہم کرتے ہیں وہ دیکھتے ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں وہ سنتے ہیں پھر دیکھئے کہ اس کا کیا ثمرہ ہوتا ہے تمام کلفتیں اور مشقتیں آپ کو سہل ہوجائینگی اور لطف دائم آپ کو ملے گا اور اسی کی نسبت حضور ﷺ کو ارشاد ہے "واصبر لحکم ربک فانک باعیننا وسبح بحمد ربک"[3] (یعنی اے محمد ﷺ اپنے رب کے حکم کے لئے جمے رہئے اس لئے کہ آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں اور اپنے پروردگار کی تسبیح حمد کے ساتھ کیجئے یعنی آپ ہم سے باتیں کیجئے) محب کو یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ محبوب مجھ

---

(۱) لطف (۲) دیکھنے (۳) الطور آیت ۴۸

کو دیکھتا ہے تو مصیبت میں بھی اس کو لطف آتا ہے۔

بجرم عشق توام میکشند و غوغائیست — تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائیست

(یعنی اے محبوب! آپ کے عشق کے جرم میں مجھ کو لوگ مارے ڈالتے ہیں اور ایک بھیڑ لگا رکھی ہے آپ بھی بر سر بام آجائیے اس لئے کہ خوب تماشا ہے)

ایک عاشق کو لکڑیاں مار رہے تھے ننانوے لکڑیاں کھائیں اور اف تک نہیں کی اور ننانوے کے بعد ایک لگی تو آہ نکلی لوگوں نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہا کہ ننانوے تک تو میرا محبوب بھی تماشائیوں میں تھا تو مجھ کو تکلیف نہ ہوئی اور آخر میں چلا گیا اس لئے تکلیف محسوس ہوئی پس معلوم ہوا کہ دنیا میں ہمارا حصہ یہی ہے کہ ہم اس کی یاد میں رہیں اور ہم کو اس کا یقین ہو کہ وہ ہم کو دیکھ رہے ہیں اور سنتے ہیں۔

[illegible] یہ ہے کہ یہ ہم کلامی کی دولت بڑی نعمت ہے اس کے حقوق کا خاص اہتمام ہونا چاہیے یعنی اپنی حالت ایسی بنالو کہ محبوب حقیقی کی پسند کے خلاف نہ ہو اور اس کا تصور کیا کرو کہ وہ ہماری طرف ہر وقت متوجہ ہیں کسی حالت میں بے خبر نہیں ہیں اور نیز اس کے متمنی و امیدوار ہو کہ ایک وقت خاص میں انشاء اللہ تعالیٰ رویت و ہم کلامی کی دولت سے بھی ہم مشرف ہونگے۔ الحمد للہ رویت و کلام خوب بسط(۲) سے ایسا بیان ہو گیا کہ سب پہلوؤں پر تحریر ہو گئی اب اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ توفیق عطا فرمائے (آمین)

تمت

---

(۱) تفصیل سے